متشابہات قرآنی۔اقسام واسباب اور حکم۔تنقیدی جائزہ

*ڈاکٹر سید ازکیا ہاشمی

** محی الدین ہاشمی

Abstract

The verses of the Holy Quran, in respect of their understanding and determination of meanings, are divided in to two categories:

(i) Muhkam (Clear)

(ii) Mutashabih (Allegorical)

Quranic commentators (Mufassirun) and the experts of Quranic Sciences have dealt with these topics in defalt. Since it is a significant requirement for understanding of the Holy Quran to keep in mind the difference between Muhkam and Mutshabih, the knowledge of these terminologies is a must to be understood for the students of Quranic Studies.

In the article entitled "Allegorical Verses of the Holy Qur'an: Their Kinds, Reasons & Philosophy ___ A Critical Study", several points of controversies on the matter of Mutshabih in the Holy Quran have been discussed. For example:

(i) Whether or not the knowledge of allegorical verses of the Holy Qur'an is requised to know by the scholars of highest intellect who have been called "al-Rasikhoon fil Ilm" in the Holy Quran?

(ii) What are the literal & other reasons of Mutshabih?

(iii) What are the different kinds of allegorical verses of the Holy Qur'an?

(iv) What is the philosophy and objectives of Mutshabih in Quranic verses?

Opinions of Qur'anic scholars through citations from original sources have

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج مانسہرہ

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی تاریخ وتمدن علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

been produced with critical analysis to elaborate the different dimensions of the topic.

محکم ومتشابہ آیات کی یقین وتفہیم کا مسئلہ قرآن حکیم کے اہم اور مشکل مسائل میں سے ہے اور ان میں باہمی فرق کو مدنظر رکھے بغیر نہ صرف یہ کہ قرآنی آیات کا فہم وادراک ممکن نہیں بلکہ قرآن حکیم ان لوگوں کو گمراہ قرار دیتا ہے جو ان آیات میں موجود فرق کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس لیے قرآنیات کے طالب علم کے لیے اس موضوع سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔ اس بحث کا مدار دراصل سورۃ آل عمران کی آیت ہے جس میں قرآنی آیات کی دو اقسام ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ محکمات

۲۔ متشابہات

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾(۱)

''وہی ہے جس نے تمہارے اوپر کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسری کچھ آیاتیں اس میں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس میں متشابہات کے درپے ہوتے ہیں فتنہ اور تاویل کی تلاش کے لیے، حالانکہ اس کی اصل حقیقت اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے سب آیات اللہ کی طرف سے ہیں نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے''۔

محکمات ومتشابہات کیا ہیں اور ان کی تعین وتفہیم میں اہل علم کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

محکم ومتشابہ کا لغوی واصطلاحی مفہوم (۲)

'محکم' حکم سے مشتق ہے لغت میں اس کے معنی روکنے کے آتے ہیں۔ اسی سے 'حاکم' اور حکم ہے کیونکہ حاکم اپنے فیصلے کے ذریعہ ایک فریق کو ظلم سے روکتا ہے۔ حکمة بھی اسی سے ماٴخوذ ہے یعنی دانائی کی بات۔ کیونکہ حکمت انسان کو نامناسب کاموں سے روکتی ہے۔ اسی سے 'احکام' ہے بمعنی مضبوط۔ کیونکہ کسی شے کی

مضبوطی اسے فساد اور بگاڑ سے روکتی ہے اور آیت قرآن

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾(۳)

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہے''۔میں یہی مفہوم مراد ہے''۔

متشابہ: 'شبہ' سے ماخوذ ہے جس کے معنی مشابہت ومماثلت کے ہیں۔عربی میں کہا جاتا ہے۔ **تشابہا واشتبہا**: جب کی دو چیزیں آپس میں اس حد تک مشابہت رکھتی ہوں کہ ان میں التباس واشتباہ کی وجہ سے فرق اور تمیز مشکل ہو جائے۔اسی سے لفظ متشابہ ہے قرآن میں جنت کے پھلوں کو وصف بیان کرتے ہوئے کیا گیا۔

﴿وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾(۴)

''ایک دوسرے سے ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے''۔

﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾(۵)

''ایسی کتاب جو باہم ملتی جلتی ہے''۔

اصطلاح میں محکم کا اطلاق کبھی منسوخ کے مقابلے میں ہوتا ہے اور کبھی متشابہ کے مقابلہ میں جو منسوخ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اصطلاح کی رو سے اس سے مراد وہ حکم شرعی ہے جس میں نسخ کا احتمال نہ ہو اور وہ محکم جو متشابہ کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اصطلاح میں اس سے مراد کتاب وسنت کی وہ نصوص ہیں جو دلالت ومعنی کے لحاظ سے اس قدر واضح ہوں کہ ان کے مفہوم میں کسی قسم کا 'خفاء' نہ پایا جاتا ہو اور جو بلا تاویل اور دقت نظر کے آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہو۔قرآن حکیم نے محکمات کو اُمّ الکتاب قرار دیا ہے یعنی ان میں اصول دین، احکام شریعت، فرائض، اوامر ونواہی، عبادات اور اخلاقی اقدار کا ذکر ہے۔

محکم کے اصطلاحی مفہوم کی تعین میں تو اہل علم کی آراء میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے البتہ متشابہ کی تعین میں ان کی آراء میں کافی اختلاف موجود ہے۔سیوطی نے الاتقان میں محکم ومتشابہ کی تعین میں تقریباً چودہ اقوال نقل کئے ہیں(۶)۔زرقانی نے ان میں سے سات اہم اقوال ذکر کیے ہیں جو درج ذیل ہیں(۱):

۱۔ محکم وہ آیات ہیں جو دلالت کے اعتبار سے واضح اور نمایاں ہوں اور ان میں نسخ کا احتمال نہ ہو اور متشابہ وہ ہیں جن کا مفہوم مخفی ہو اور جس تک رسائی نہ عقلاً اور نہ نقلاً ممکن ہو اور اس کا علم اللہ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہو۔جیسے قیامت کا قائم ہونا اور سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات وغیرہ۔آلوسی نے اس رائے کو اکابر احناف کی طرف منسوب کیا ہے۔

۲۔ محکم وہ آیات ہیں جن کا مفہوم معلوم ہو یا تو واضح ہونے کی بناء پر یا تاویل کے ذریعہ اور متشابہ وہ آیات ہیں جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہو جیسے قیامت کا قائم ہونا، خروج دجّال اور سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات۔ یہ قول اہل السنۃ کی طرف منسوب ہے اور ان کے ہاں یہی قول مختار ہے۔

۳۔ محکم سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کی صرف ایک ہی تاویل ممکن ہو جب کہ متشابہ وہ ہے جس میں کئی تاویلوں کا احتمال ہو۔ یہ رائے ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اور بہت سے اصولین کی بھی یہی رائے ہے۔

۴۔ محکم وہ ہے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے مستقل بالذات ہو اور بیان وتوضیح کا محتاج نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جو مستقل بالذات نہ ہو بلکہ معانی کی تعیین کے لیے اس کی توضیح کی ضرورت ہو۔ اس کی تاویل میں اختلاف کی بناء پر کبھی اس کا ایک مفہوم بیان کیا جائے کبھی دوسرا۔ یہ قول امام احمدؒ سے منقول ہے۔

۵۔ 'محکم' سے مراد ایسی آیات ہیں جو نظم اور ترتیب کے اعتبار سے مستحکم ہوں، بغیر کسی تناقض کے بالکل درست مفہوم تک پہنچاتی ہوں اور متشابہ وہ آیات ہیں جن کے حقیقی مفہوم تک رسائی لغت کے ذریعہ ممکن نہ ہو جب تک کہ کوئی علامت یا قرینہ اس کے ساتھ ملحق نہ ہو۔ یہ رائے امام الحرمین کی طرف منسوب ہے۔

۶۔ محکم کا اطلاق ان آیات پر ہوتا ہے جن کا مفہوم واضح ہو اور ان میں کسی قسم کا اشکال نہ ہو اور متشابہ اس کے برعکس ہے۔ متشابہ وہ آیات ہیں جن میں ایسے الفاظ ہوں جن کے معانی مشترک ہیں یا ان میں ایسے الفاظ ہوں جن سے سبحان اللہ وتعالیٰ کے متعلق تشبیہ کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ اس قول کو بعض متاخرین کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر یہ رائے طیبی کی ہے۔

۷۔ محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن میں دلالت راجح ہو یعنی جو اپنے معنی ومفہوم پر دلالت کرنے میں واضح ہو جیسے نص، ظاہر اور متشابہ وہ آیات ہیں جن میں دلالت راجح نہ ہو یعنی جو اپنے معنی ومفہوم پر دلالت کرنے میں واضح نہ ہوں جیسے مجمل، مئوول اور مشکل۔ یہ رائے امام رازی کی طرف منسوب ہے اور اکثر محققین نے اسے پسند کیا ہے۔

یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت (جس میں آیات کی دو اقسام محکم اور متشابہ ذکر کی گئی ہیں) کے علاوہ ایک آیت میں پورے قرآن کو محکم اور دوسری میں پورے قرآن کو متشابہ کیا گیا

ہے۔سورۃ ہود میں ہے۔

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ ’’یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات م﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾(۹)

’’اللہ نے بہترین کلام متشابہ کتاب کی صورت میں اتارا‘‘۔

ان دو آیات اور سورۃ آل عمران کی آیت میں بظاہر تناقص نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پہلی آیت میں پورے قرآن کے محکم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی آیات میں حد درجہ ضبط واتقان پایا جاتا ہے اور یہ کلام ہر قسم کے نقص واختلاف اور تضاد سے مبرّا ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں اور دوسری آیت میں قرآن کے متشابہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآنی آیات حق وصداقت میں اور اعجاز وبلاغت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔گویا مذکورہ ہر دو آیات میں محکم ومتشابہ کا لغوی مفہوم مراد ہے نہ کہ اصطلاحی جب کہ آل عمران کی آیت میں محکم اور متشابہ اصطلاحی کا ذکر کرتے ہوئے قرآنی آیات کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔

متشابہ آیات کا علم

اکثر علماء کے نزدیک متشابہ کی تاویل ممکن نہیں کیونکہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔یہ حضرات آیت آل عمران:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾

’’میں اللہ پر وقف کرتے ہیں‘‘۔

اور

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ﴾

کو الگ جملہ قرار دیتے ہیں اور واؤ عاطفہ کے بجائے واؤ استینافیہ قرار دیتے ہیں۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے اور راسخین فی العلم کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ ابن عباسؓ،ابن مسعودؓ اور اُبی بن کعبؓ کا یہی مسلک ہے اور حضرت عائشہؓ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔حضرت عمرؓ بھی متشابہات کے پیچھے پڑنے والوں کو سخت سرزنش کرتے تھے۔ایسے ہی ایک شخص عبداللہ صبیغ کو جو لوگوں سے متشابہات کے بارے میں تحقیق وتفتیش کرتا تھا اسے کھجور کی چھڑیوں سے سزا دی اور لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے سے

منع کیا(۱۰)۔

امام سیوطی کے نزدیک ابن عباسؓ سے اس سلسلے میں مختلف روایات منقول ہیں مگر واضح روایت کے مطابق وہ متشابہ کے علم کو اللہ تک محدود سمجھتے تھے۔ابن عباسؓ کے نقطہ نظر کی وضاحت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن جریر نے مرفوعاً نقل کیا ہے:

''انزل القرآن علی اربعة اوجه وجه حلال وحرام لا یسع احدا جهالته ووجه یعرفه العرب ووجه تاویله یعلم العالمون وجه لا یعلم تاویله الا الله ومن انتحل فیه علمافقد کذب''(۱۱)

''قرآن چار حروف پر نازل ہوا(ا)حلال وحرام جس کے نہ جاننے کے سبب کوئی شخص معذور نہ سمجھا جائے گا(ب)وہ تفسیر جسے اہل عرب جانتے ہیں(ج)وہ تفسیر جو اہل علم جانتے ہیں(د)وہ تفسیر جو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یعنی متشابہ اور اللہ کے علاوہ اگر کوئی اس علم کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے''۔

ابوالحسن اشعری بعض مفسرین اور اہل علم مثلاً ضحاک، مجاہد، ابن قتیبہ وغیرہ متشابہات کی تاویل کو جائز سمجھتے ہیں وہ 'الا اللہ' کے بجائے 'والراسخون فی العلم' پر وقف کرتے ہیں۔اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ راسخین فی العلم بھی متشابہات کی تاویل سے آگاہ ہیں۔مجاہدؒ فرماتے ہیں:

''اگر راسخین فی العلم بھی متشابہ پر اس کو سمجھے بغیر ایمان لائیں تو پھر ان میں اور جاہل لوگوں میں کیا فرق باقی رہ جائے گا جو اس پر سمجھے بغیر ایمان لاتے ہیں۔میں نے ایسے مفسر نہیں دیکھے جو قرآن کی تفسیر کے وقت کسی جگہ یہ کہہ کر ٹھہر گئے ہوں کہ یہ متشابہ ہے، اس کی تاویل صرف اللہ جانتا ہے۔مفسرین نے تو حروف مقطعات تک کے معنی بیان کر دیے ہیں''۔(۱۲)

ابواسحاق شیرازی اس مؤقف کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کوئی چیز ایسی نہیں جس کے علم کو اللہ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کر لیا ہو بلکہ علماء کو ہر چیز کے علم سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔یہ آیت علماء کی مدح و تعریف میں وارد ہوئی ہے اگر وہ متشابہات کی تاویل سے واقف نہ ہوتے تو ان میں اور عوام میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا''۔(۱۳)

علامہ نووی نے بھی شرح مسلم میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ

''زیادہ صحیح یہ ہے کہ راسخین فی العلم کو متشابہات کا علم حاصل ہوتا ہے۔یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ اپنے بندوں کو ایسی باتیں بتائے جنہیں ان میں سے کوئی نہ سمجھ سکتا ہو''۔(۱۴)

ابن تیمیہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ:

''پورا قرآن قابل فہم اور قابل غور ہے اور بہت سے اسلاف متشابہات کے مفہوم سے واقف تھے''۔(۱۵)

شاہ ولی اللہ بھی متشابہات کی تفہیم وتعین کو ممکن تصور کرتے ہیں ان کے نزدیک:

''متشابہ وہ کلام ہے جس میں چند معانی کا احتمال ہو اور وہ باہم متشابہ ہو(۱۶)۔تاہم وہ صفات الٰہی سے متعلق متشابہات کی تاویل کو درست قرار نہیں دیتے''۔(۱۷)

متشابہات کی تاویل کے جواز کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کئی ایک مقامات پر اپنی صفت ﴿کتاب مبین﴾(۱۸) ذکر کرتا ہے۔یعنی ایسی کتاب جو اپنے مضامین کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہو اور اس کی بعض آیات کے علم کے بارے میں علماء کا اختلافی نقطہ نظر کسی بنیادی اور اصول اختلاف پر مبنی نہیں کیونکہ جو علماء متشابہات کی تاویل کو درست قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ تاویل ظنی متشابہات کا قطعی اور یقینی مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا۔

محکم ومتشابہ عام وخاص

محکم کا عام مفہوم تو یہی ہے کہ جو آیات اپنی مراد سے واضح اور صریح ہوں وہ محکم ہیں اور خاص اصطلاح میں محکم منسوخ کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے لہٰذا قرآنی آیات جو منسوخ نہیں ہیں وہ خاص مفہوم کے مطابق وہ آیات متشابہ قرار پائیں گی جن کے مفہوم میں کسی قسم کا خفاء ہو اور وہ تاویل کی محتاج ہوں۔

محکم ومتشابہ عام وخاص کے اصطلاحات کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محکم عام ومتشابہ عام سے ان کا لغوی مفہوم مراد لیا جائے جیسا کہ آیات مذکورہ ﴿كِتَٰبٌ أُحۡكِمَتۡ ءَايَٰتُهُۥ﴾ ،اور کتاب 'متشابھاً' میں قرآن کے محکم اور متشابہ ہونے کا لغوی مفہوم ہی مراد لیا گیا ہے اور محکم خاص ومتشابہ خاص سے وہ اصطلاحی مفہوم مراد لیا جائے جو سورۃ آل عمران کی آیت سے متعلق ہے۔

تشابہ کے اسباب(۱۹)

متشابہ کلام میں چونکہ شارع کی مراد میں خفاء اور اشتباہ موجود رہتا ہے اس لیے تعین مراد اور تاویل آیت کے لیے ان اسباب کا جاننا ضروری ہے جو تشابہ کا باعث بنتے ہیں۔اس سلسلے میں امام راغب نے تین اسباب ذکر

کئے ہیں کہ یا تو تشابہ لفظ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یا معنی کے لحاظ سے یا لفظ اور معنی دونوں کی وجہ سے تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ لفظی اسباب

بعض اوقات لفظی اسباب کی وجہ سے کلام میں اشتباہ رہتا ہے یعنی تشابہ صرف لفظ میں ہوتا ہے خواہ مفرد ہو یا مرکب۔ مفرد لفظ میں تشابہ کے دو اسباب ہیں:

۱۔ الفاظ کی غرابت

۲۔ کسی لفظ کا مختلف معانی کو مشترک ہونا۔

غرابت اور ندرت استعمال کی وجہ سے مفرد میں تشابہ کی مثال لفظ 'اب' ہے۔ آیت ﴿وفاکھة وا.با﴾ میں اور ﴿یزفون﴾ (۲۱)۔ یہ دونوں الفاظ غریب ہیں۔ مفرد لفظ میں تشابہ کسی لفظ کے مشترک المعنی ہونے کی وجہ سے ہو تو اس کی مثال لفظ 'ید' اور 'یمین' ہیں یہ الفاظ انسان اعضاء کے لیے بھی مستعمل ہیں اور صفات الٰہیہ کے لیے بھی۔

مرکب میں تشابہ کے تین اسباب ہیں:

ا) اختصار کی بناء پر مرکب میں تشابہ ہو جیسا کہ آیت

﴿ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (۲۴)

اس آیت میں اختصار کی وجہ سے مراد مخفی ہے کہ ایک سے زائد نکاح کی اجازت یتامٰی سے مشروط ہے یا یہ اجازت عام ہے۔

ب) مرکب میں بسط و تفصیل کی وجہ سے تشابہ ہو جیسا کہ آیت

﴿ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ﴾ (۲۵)

میں اگر حرف کاف (جو کہ زائد ہے اور تفصیل کے لیے) خذف کر دیا جاتا ہے اور

(لَیۡسَ مِثۡلِہٖ شَیۡءٌ)

کہا جاتا تو کلام زیادہ واضح ہوتا۔

ج) مرکب میں بسط و تفصیل کی وجہ سے تشابہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا﴾(۲۶)

اس آیت میں خفاء لفظ قیما اور اس کے ماقبل کے مابین ترتیب کی وجہ سے ہے۔ اگر تقدیر عبارت یوں ہوتی۔

﴿اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا﴾

تو کلام زیادہ واضح ہوتا۔

۲۔معنوی اسباب

بعض اوقات لفظ کے بجائے معنی کے لحاظ سے کلام میں تشابہ پیدا ہوتا ہے مثلاً قرآن حکیم میں بیان کردہ اوصاف باری تعالیٰ، قیامت کے اوصاف جنت کی نعمتیں اور جہنم کے عذاب چونکہ ان چیزوں کا تعلق محسوسات سے نہیں اس لیے عقل انسانی ان کا حقیقی ادراک نہیں کرسکتی اور ان کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔

۳۔لفظی ومعنوی اسباب

بعض اوقات لفظ ومعنی دونوں کی وجہ سے تشابہ پیدا ہوتا ہے اس کی متعدد مثالیں قرآن حکیم میں موجود ہیں مثلاً آیت:

﴿وَ لَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُہُوۡرِہَا﴾(۲۷)

اس میں لوگوں کو گھروں کی پشت سے آنے سے منع کیا ہے۔ جو شخص عربوں کے زمانہ جاہلیت کی رسوم و عادات سے ناواقف ہو وہ اس آیت کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔ اس میں اختصار کی وجہ سے لفظی خفاء بھی ہے اور عادت عرب سے واقفیت نہ ہو تو معنی خفاء بھی ہے۔ امام راغب نے لفظی ومعنوی تشابہ کی حسب ذیل پانچ مثالیں ذکر کی ہیں:

ا) کمیت کی وجہ سے تشابہ، عموم وخصوص کی طرح جیسے آیت:

﴿فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾(۲۸)

ب) کیفیت کی جہت سے تشابہ وجوب وندم کے طریقے پر جیسے:

﴿فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ﴾(۲۹)

ج) ناسخ ومنسوخ کی طرح زمانہ کی جہت سے۔ جیسے:

﴿اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾(۳۰)

د) مکان کی جہت سے اوران امور کی جہت سے جن میں آیت کا نزول ہوا ہو مثلاً

﴿ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا ﴾(۳۱)

اور

﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِی الْكُفْرِ ﴾(۳۲)

ر) ان شرائط کی جہت سے جن کے ساتھ فعل صحیح اور فاسد ہوا کرتا ہے مثلاً نماز اور نکاح کی شرائط۔شاہ ولی اللہ نے بھی 'الفوز الکبیر' میں تشابہ کی بعض صورتیں ذکر کی ہیں مثلاً:

ا) کسی جملے میں ضمیر کے دومراجع ہونے کی وجہ سے وہ کلام ومعانی کی محتمل ہو مثلاً کوئی شخص کہے (ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنة الله)۔

''مجھے امیر نے حکم دیا کہ میں فلاں آدمی پر لعنت کروں کہ اللہ اس پر لعنت کرے''۔

یہاں یہ اشتباہ ہوسکتا ہے کہ کہنے والے کی مراد ضمیر سے کون ہے فلاں ہے یا امیر ہے۔

ب) جب کلام میں کوئی لفظ ومعنی ہوتب بھی اشتباہ ہوتا ہے مثلاً:

﴿لامستم النساء﴾(۴۳۔۴)

''میں ملامسة'' کے معنی چھونے کے اور جماع کرنے کے بھی آتے ہیں۔

ج) کلام کے دونوں لفظوں پر جوقریب وبعید ہوں عطف کے احتمال کی وجہ سے بھی اشتباہ ہوتا ہے مثلاً

﴿ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ ﴾(۳۴)

اگر 'ارجل' مفعولی حالت میں ہے تو اس کا تعلق 'فاغسلوا' سے ہے اور اگر 'ارجل' لام مکسور ہے اور جری حالت ہے تو 'وامسحوا' سے متصل ہے۔

د) کبھی اس صورت میں بھی اشتباہ ہوتا ہے جہاں عطف بھی ہوسکتا ہے اور استیناف بھی (یعنی جہاں ماقبل سے تعلق نہ ہو بلکہ نئے جملے آغاز ہو) جیسے آیت:

﴿وما یعلم تاویله الا الله والر سخون فی العلم﴾(۷۔۳)

میں (بعض علماء الا اللہ پر وقف کرتے ہیں اور واؤ استینا فیہ قرار دیتے ہیں اور بعض واؤ عاطفہ قرار دے کر ماقبل جملے پر اس کا عطف کرتے ہیں)(۳۵)۔

متشابہات کی اقسام

متشابہات کے متعلق ایک مئوقف تو یہی ہے کہ ان کی تاویل ممکن نہیں۔ جب کہ بعض تاویل کے قائل ہیں۔اس بارے میں امام راغب کا نقطہ نظر انتہائی معتدل ہے۔انہوں نے متشابہات کی درجہ بندی کرتے ہوئے اس کی تین اقسام بیان کی ہیں:

ا) وہ متشابہات جن کی حقیقت سے واقفیت کا کوئی ذریعہ نہیں (اور انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا) مثلاً قیامت کا وقت اور دابة الارض کا خروج وغیرہ۔

ب) وہ متشابہات جن سے انسان کی واقفیت ممکن ہے مثلاً غریب الفاظ اور مغلق احکام کی شرح وتفسیر وغیرہ۔

ج) وہ متشابہات جو ان دونوں اقسام کے درمیان ہیں اور ان کی حقیقت بعض علماء راسخین پر واضح اور دوسروں کے لیے مخفی ہوسکتی ہے۔آنحضرت محمدﷺ کی ابن عباسؓ کے متعلق دعا اسی قسم سے متعلق ہے۔

(اللهم فقهه فی الدين وعلمه التاويل)

''اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور تاویل سکھا دے''۔(۳۶)

امام راغب کی اس تقسیم کی روشنی میں ہم متشابہات کی تقسیم درج ذیل عنوانات سے بھی کرسکتے ہیں:

ا) اللہ کی ذات سے مخصوص متشابہات

۲) علماء کے لیے متشابہات

۳) خواص الخواص کے لیے متشابہات

اللہ کی ذات سے مخصوص متشابہات

قرآن حکیم کی بعض آیات متشابہات ایسی ہیں جن کے معانی عربی زبان اور اس کے قواعد کی روشنی میں تو معلوم کئے جاسکتے ہیں مگر ان کی حقیقی مراد تک رسائی ممکن نہیں۔ یہ قرآن حکیم کے وہ مقامات ہیں جہاں راسخین فی العلم بھی فرشتوں کی طرح اپنے عجز اور کوتاہ علمی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾(۳۷)

یہ متشابہات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات۔قیامت کے وقوع وغیرہ مغیبات سے تعلق رکھتی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے مختص کر رکھا ہے۔سیوطی کے نزدیک مختار قول کے مطابق سورتوں کے اوائل (حروف

مقطعات) بھی ان متشابہات میں داخل ہیں جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔

صفات باری تعالیٰ متشابہات کی اہم قسم ہے اور علماء و متکلمین نے اس موضوع پر بڑی بحثیں کی ہیں ان کے اختلافی نقطہ نظر کی وضاحت مستقل عنوان کے تحت کی جا رہی ہے۔

آیات متشابہ الصفات

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں صفات باری تعالیٰ کا تذکرہ ہوا ہے مثلاً ﴿استوی علی العرش ﴾جیسا کہ آیت کریم:

﴿اَلرَّحمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾(۳۸)

''رحمان عرش پر متمکن ہوا''۔

﴿یَدُ اللّٰه﴾

''اللہ کے ہاتھ''

مثلاً

﴿یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْھِم﴾(۳۹)

﴿ وَجه اللّٰه﴾

''اللہ کا چہرہ''۔

مثلاً

﴿کُلُّ شَیْءٍ ھَالِكٌ اِلَّا وَجْھَه﴾(۴۰)

اللہ کا دایاں ہاتھ مثلاً

﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ م بِیَمِیْنِه﴾(۴۱)

اللہ کی آنکھیں مثلاً

﴿ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِی﴾(۴۲)

اللہ کی پنڈلی مثلاً

﴿یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ ﴾(۴۳)

اس قسم کی آیات کے متعلق جمہور اہلسنت ،سلف صالحین اور اہل حدیث اس پر متفق ہیں کہ ان پر ایمان رکھنا فرض ہے اور ان کے معنی و مراد اور ان کی حقیقت و اصلیت کا علم اللہ کے سپرد کرنا چاہیے اور اللہ کو ان کے حقیقت سے منزہ سمجھتے ہوئے ان کی تاویل سے گریز کرنا چاہیے۔

امام مالکؒ بھی اسی مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں جب ان سے ﴿استوی علی العرش﴾ کے بارے میں سوال کیا گیا تو ان کا جواب یہ تھا:

(الا ستواء معلوم والكيف مجهول والايمان به واجب والسوال عنه بدعة)(۴۴)

’’استواء معلوم ہے مگر اس کی کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے مگر اس کے متعلق سوال و تحقیق بدعت ہے‘‘۔

کیونکہ نہ تو حضورﷺ نے اس کی مراد متعین کی ہے نہ صحابہؓ نے اسے دریافت کیا ہے۔

صفات کے مسئلہ پر ایک جماعت اس قسم کی صفات کو ظاہری معنی پر محمول کر کے تشبیہ و تمثیل کی قائل ہوگئی اور اللہ کے لیے اعضاء و جوارح تسلیم کرتے ہوئے انہیں انسانی اعضاء و جوارح کے ساتھ تشبیہ دے دی۔ یہ گمراہ فرقہ مشبہ اور مجسمہ کہلاتا۔ حالانکہ قرآن نے صاف طور پر اعلان کیا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾(۴۵)

اور

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾(۴۶)

متکلمین نے اس اعتقادی فتنہ اور گمراہی کا دروازہ بند کرنے کے لیے تاویل کا راستہ اختیار کیا کہ جس لفظ کا ظاہری اطلاق ذات باری تعالیٰ پر محال ہو اس کی مناسب تاویل کی جائے۔ سیوطی نے مختلف صفات مثلاً استواء، نفس، وجہ، عین، ید، یمین، ساق، جنب ، قریب واقرب، معیت، فوقیت، مجیئت (اللہ کا آنا) حُب ،غضب، تعجب ورحمت وغیرہ، جن کا ذکر مختلف قرآنی آیات میں آیا ہے، علماء اہلسنت کے اقوال کی روشنی میں ان کی تاویلات پر مفصل بحث کی ہے مثلاً استواء سے معنوی بلندی مراد لینا، نفس اور وجہ سے ذات خداوندی، عین سے حفاظت و نگہداشت، ید سے قدرت، کشف ساق سے شدت وسختی، جنب سے مراد حق، قریب و معیت سے قرب معیت سے قرب معیت علمی، فوقیت سے عُلو ،مجیئت سے حکم خداوندی، محبت، غضب، تعجب اور ورحمت وغیرہ سے مجازی معنی یعنی لوازم مراد ہیں (۴۷)۔

ابن تیمیہ کے نزدیک چونکہ قرآن کا کوئی حصہ ایسا متشابہ نہیں جس کی تاویل نہ ہو اس لیے وہ آیات متشابہ الصفات کی بھی تاویل کرتے ہیں۔ متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ اس قسم کی آیات میں غور و خوض کے قائل نہیں۔ وہ لکھتے ہیں: صفات الٰہی کی حقیقت کے بیان میں اور متشابہات کی تاویل میں متکلمین نے جو غلوّ کیا ہے وہ میرا مذہب نہیں۔ میرا مذہب مالک ثوری، ابن مبارک اور سارے قدماء کا ہے کہ صفات متشابہات کے قبیل سے ہیں جن کی تاویل میں غور و خوض نہیں کرنا چاہیے (۴۸)۔

اس سلسلے میں محتاط اور معتدل مسلک وہ ہے جسے سیوطی نے ابن دقیق العید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ''اگر تاویل عربی زبان (کے عرف ومحاورات) کے قریب ہو تو وہ ناپسندیدہ نہ ہوگی''۔ اگر تاویل بعید ہے تو ہم اس سے توقف کریں گے اور تنزیہ باری تعالیٰ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے اس معنی پر ایمان رکھیں گے جو اس سے مراد ہے اور اگر ایسے الفاظ کے معنی، اہل عرب کے باہمی طرز خطاب کی رو سے ظاہر اور معلوم ہوں تو ہم انہیں بغیر کسی توقف کے مان لیں گے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْبِ اللّٰهِ ﴾(۴۹)

میں لفظ 'جنب' کا حمل اللہ کے حق اور اس کے لئے واجب باتوں پر کرتے ہیں (۵۰)۔

متشابہ الصفات کے موضوع پر ابن اللبان ۷۴۹ھ نے 'ردالمتشابہات الی الایات المحکمات' تصنیف کی ہے۔ سیوطی نے 'الاتقان' میں اس کے مباحث سے استفادہ کیا ہے۔

علماء کے لیے متشابہات

متشابہات کی یہ دوسری قسم ہے جس کی تاویل علماء کے لیے ممکن ہے اور اس کے لیے عربی لغت اور کلام عرب سے واقفیت اور اس میں مہارت ضروری ہے کیونکہ الفاظ کی غرابت، ان کا مشترک المعانی ہونا، کلام کا مختصر یا مفصل ہونا اور اس میں خاص نظم و ترتیب سے کلام میں تشابہ پیدا ہوتا ہے جو فہم معانی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ اس بناء پر ابن عباسؓ نے قرآن حکیم کے غریب الفاظ کی شرح کر کے تشابہ کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے اور سیاق میں ابن عباسؓ کی اس روایت کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے جو انہوں نے آیت

﴿وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم﴾

کے معنی میں نقل کی ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل جانتے ہیں۔

''انا من الراسخین الذین یعلمون تاویلہ''(۵۱)۔

ضروری نہیں کہ ابن عباسؓ کا یہ دعویٰ تمام متشابہات کے بارے میں ہو بلکہ ان اقسام کے بارے میں ہوسکتا ہے جن کی تاویل اہل علم کے لیے ممکن ہے اور عربی زبان ولغت اور اسالیب کلام سے واقفیت کے ذریعے ان کے معانی ومفاہیم تک رسائی حاصل ہوسکتی ہے اس لیے مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں لفظی ومعنوی تشابہ کی صورت میں مرادالٰہی کے تعین کے لیے تدبر وتحقیق کی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔

خواص الخواص کے لئے متشابہات

بعض متشابہات کا مفہوم عربی زبان وادب کے دقیق فہم اور نزول قرآن کے ماحول اور پس منظر کی روشنی میں متعین کیا جاسکتا ہے مگر بعض متشابہ آیات کی توجیہ کے لیے قرآن وسنت کے وسیع وعمیق فہم، اسلامی علوم میں مہارت دقت نظر، ذوق سلیم اور قلب ودماغ کی تطہیر وپاکیزگی ضروری ہے، خواص اہل علم جو ان صفات سے متصف ہوتے ہیں، ان کے قلوب سے بعض حقائق کتاب اللہ میں تدبر وتفکر کے نتیجہ میں منکشف ہوتے ہیں اور وہ بعض ان متشابہات کی بھی توجیہ وتاویل پیش کرتے ہیں جن تک عام ذہنوں کی رسائی نہیں ہوسکتی۔اس بناء پر بعض علماء نے ان متشابہات کی بھی توجیہ کی ہے جن کا تعلق صفات باری تعالیٰ سے ہے مگر وہ اس مفہوم کو ظنی قرار دیتے ہیں۔

متشابہات کی ایک قسم وہ ہے جس کا مفہوم جدید علمی تحقیقات کے نتیجہ میں زیادہ واضح ہوا ہے، اس قسم کی متشابہات کا تعلق دین کے بنیادی اور اساسی امور سے نہیں ہوتا اور نہ ہی انسان کی عملی زندگی سے ان کا براہ راست کوئی تعلق ہوتا ہے۔اس قسم کے تصورات ذرا مبہم انداز میں تشبیہات واستعارات اور مجاز وکنایہ کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں۔ سائنسی ارتقاء اور زمانہ کی ترقی نے اس قسم کے اشارات وکنایات کی توجیہ کو زیادہ قابل فہم بنادیا ہے بالخصوص وہ آیات جن میں علوم کائنات (Cosmology) کا تذکرہ آیا ہے، بعض اہل علم نے قرآنی آیات کی سائنسی تشریح وتعبیر کے ذریعے ان کے خفاء کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ کام انتہائی ذمہ داری، دقت نظر اور احتیاط کا متقاضی ہے تاکہ تاویل اور تحریف کے درمیان فرق قائم رہے کیونکہ اسے نظر انداز کرنے کا نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

متشابہ آیات کی ضرورت وحکمت

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے وہ ہر قسم کے فیوضات وبرکات کا منبع، کل انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ

اور علوم و معارف کا خزینہ ہے، اس نے مختلف اور متنوع موضوعات پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے اور ہر کلام کی طرح اس میں کہیں اجمال ہے کہیں تفصیل۔ کہیں الفاظ کی ندرت وغرابت ہے تو کہیں معانی کی گہرائی و گیرائی، کہیں مجاز اور حقیقت ہے تو کہیں تمثیل وتشبیہ اور استعارات و کنایات، کہیں مضامین سادہ وعام فہم ہیں اور کہیں دقیق اور مشکل، کہیں مفہوم واضح اور صریح ہے تو کوئی مقام اغماض واشکال لیے ہوئے ہے۔ اسالیب بیان کا یہ تنوع کلام میں عیب نہیں بلکہ کلام کا تقاضا اور اس کی حقیقی ضرورت ہے جو متعدد حکمتوں اور مصالح پر مشتمل ہے متشابہ آیات کی کلام الٰہی میں موجودگی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ بعض مضامین جو مابعد الطبیعاتی حقائق پر مشتمل ہوتے ہیں، انسانی علم، حواس اور عقل کی گرفت میں نہیں آسکتے، نہ ہی انسانی زبان میں ان کے لیے ایسے الفاظ موجود ہوئے ہیں جو ان حقائق کی وضاحت کے لیے وضع کئے گئے ہوں، جن کے ذریعے، اصل مفہوم کی تصویر آسکے اس قسم کے مضامین کے لیے ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو انسان نے محسوس اشیاء کے لیے وضع کیے ہیں اور ان کے لیے ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جو اصل حقیقت سے قریب تر مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لیے زبان میں پایا جاتا ہو۔ یا ان کا ذکر تمثیل کے پیرائے میں کیا جائے۔ اس طرح کے الفاظ اور اسالیب بیان سے حقیقت کا ایک مجمل تصور جو کہ اصل مقصود ہے سامنے آتا ہے مگر ان کے ذریعے حقیقت کا پورا ادراک اور ان حقائق کی پوری کیفیت اور نوعیت معلوم کر لینا ممکن نہیں، اس لیے قرآن ان میں تاویل کی کوشش کرنے والوں کی غلطی پر گرفت کرتا ہے، کیونکہ ان الفاظ اور اسالیب سے معانی کا تعین اور ادراک حقیقت ممکن نہیں جیسے صفات باری تعالیٰ اور اعضاء خداوندی وغیرہ۔

جن متشابہات کے معنی مدلول پر آگہی ممکن نہیں ان کے ذکر کے متعدد فوائد ہیں۔

۱۔ متشابہات کے ذریعے بندوں کو امتحان و آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ وہ متشابہات پر توقف کرتے ہوئے اپنے قصور فہم کا اعتراف کریں اور ان کا علم اللہ کے سپرد کر دیں اور تلاوت کے لحاظ سے ان کی قرأت کو اسی طرح عبادت سمجھیں جس طرح منسوخ آیات کی تلاوت کو عبادت سمجھتے ہیں اگرچہ ان کا مفہوم انہیں معلوم نہ ہو۔ اور اس بارے میں ان کے ایمان میں نہ کوئی لغزش پیدا ہو۔ نہ دلوں میں معمولی اضطراب وتردد محسوس کریں۔

۲۔ فخر الدین رازی نے متشابہ آیات کی حکمت پر بحث کرتے لکھا ہے کہ:

''قرآن حکیم کی دعوت عوام اور خواص سب کے لیے ہے اور عوام کی طبیعتیں اکثر معاملات میں حقائق کے ادراک اور ان میں غور وفکر کی عادی نہیں ہوتیں، ان میں جو شخص بھی کسی ایسی ذات کی موجودگی کے متعلق

سنتا ہے جو نہ جسم رکھتی ہے نہ کسی جگہ سما سکتی ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے تو وہ ایسی ہستی کی نفی اور عدم کا قائل ہونے لگتا ہے اس طرح وہ تعطیل (عقیدہ انکار باری تعالیٰ) میں مبتلا ہو جاتا ہے لہٰذا مناسب بات یہی تھی کہ بندوں کو ایسے الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا جائے جو ان کے اوہام وخیالات کے مناسب امور پر دلالت کرتے ہوں (یعنی جسے ان کے ذہن وعقول آسانی سے سمجھ سکیں اور قبول کر سکیں)۔رازی نے اسے متشابہات کے نزول کی سب سے اہم وجہ قرار دیا ہے''۔(۵۳)

۳۔ زرکشی لکھتے ہیں:

''متشابہات کے ذریعے اللہ نے بندوں پر قرآن حکیم کے منزل من اللہ ہونے کی حجت قائم کردی ہے کیونکہ اہل عرب اپنی زبان دانی اور فصاحت وبلاغت کے دعویٰ کے باوجود متشابہات سے واقفیت رکھنے میں جب عاجز رہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خصوصیت صرف کلام الٰہی میں ہی ممکن ہے جس سے ان کی عقلوں کو ان کے فہم وادراک سے عاجز کردیا ہے''۔(۵۴)

۴۔ متشابہات کی موجودگی انسان کے علم وفضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود اس کے عجز ودرماندگی اور کم علمی کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ ہی وہ ہستی ہے جس نے ہر چیز کا علمی احاطہ کر رکھا اور ساری مخلوق مجتمع ہو کر بھی اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر جتنا وہ چاہے۔اس طرح متشابہ وہ مقامات ہیں جہاں عقلیں اپنے خالق کی عظمت وکبریائی کا اعتراف کرتے ہوئے جھکتی ہیں اور انسان بے اختیار وہی کہنے لگتا ہے جو فرشتوں نے کہا تھا:

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾(۵۵)

وہ متشابہات جن کا فہم وادراک ممکن ہے ان کا ذکر بھی متعدد فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے۔

۱۔ متشابہات کی موجودگی سے اہل علم کو قرآن حکیم میں تدبر اور غور وفکر کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں قرآن حکیم کے دقیق علوم ومعارف تک رسائی اور ان کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ کوشش یقیناً بارگاہ خداوندی میں قرب وثواب کا باعث ہے کیونکہ قرآن مجید میں بار بار دعوت دی گئی ہے کہ اس میں غور وفکر کیا جائے۔اگر سارا قرآن محکم (واضح) ہوتا تو اس کی صحیح مراد وتاویل تک رسائی کی ضرورت نہ ہوتی نہ اس کے سمجھنے میں لوگ جدوجہد اور سبقت کرتے (۵۶)۔

۲۔ متشابہات کے ذریعے انسانوں کے فہم اور ان کے مراتب کا فرق واضح ہوتا ہے ورنہ اگر تمام قرآن حکیم

اس طرح محکم ہوتا کہ اس میں تاویل اور غور وفکر کی حاجت نہ ہوتی تو اسے سمجھنے میں تمام مخلوق کا درجہ یکساں اور مساوی ہوتا اور عالم کی فضیلت، غیر عالم پر ظاہر نہ ہوسکتی۔ اس طرح عالم علم کے بلند درجہ تک رسائی کے لیے اپنے علم میں اضافہ اور اس کے حصول کے لیے تگ ودو میں لگا رہتا ہے اور یہ اولوالعزم لوگوں کا ہی شیوہ ہے(۵۷)۔

۳۔ متشابہات کی موجودگی کی بناء پر حقیقت تک رسائی زیادہ مشکل اور مشقت کا باعث ہوتی ہے کیونکہ حقیقت ومراد تک پہنچنے کے لیئے دقت نظر کی ضرورت ہے اور جتنی محنت ومشقت زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ اجروثواب کا باعث ہوگا۔(۵۸)

۴۔ قرآن حکیم میں تشابہ آیات کی وجہ سے ان کی تاویل، تشریح کے طریقوں کا علم اور ایک آیت کو دوسری آیت پر ترجیح دینے کے اصول، معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ علم زبان دانی، نحو، معانی، بیان اور اصول فقہ (وتفسیر) وغیرہ علوم حاصل کرنے پر موقف ہے، اگر متشابہ آیت نہ ہوتیں تو ان علوم کے حصول کی طرف توجہ نہ ہوسکتی۔ ان متشابہات ہی کی برکت سے لوگ ان علوم کو سیکھتے اور بہت سے فوائد حاصل کرتے ہیں(۵۹)۔

۵۔ رازی نے متشابہات کی ایک اہم حکمت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر سارا قرآن محکم ہوتا تو وہ صرف ایک ہی مذہب کے مطابق ہوتا اور صراحتاً اس ایک کے سوا باقی تمام مذاہب کو باطل ٹھہراتا اور یہ چیز دوسرے مذاہب کے لوگوں کو قرآن میں غور وفکر کرنے سے اور اس سے نفع اٹھانے سے متنفر کردیتی۔ لہٰذا جب قرآن حکیم محکم اور متشابہ ہر دو آیات پر مشتمل ہے تو ہر مذہب کے شخص کو اپنے مذہب کے موئیدات کی طمع رہے گی۔ اس طرح تمام اہل مذاہب اسے دیکھ کر اس میں غور وفکر کریں گے اور جب وہ فہم قرآن میں خوب جدوجہد کریں گے تو محکم آیات متشابہ آیات کی تفسیر بن کر انہیں تمام اطلاب سے آگاہ کردیں گے اس طرح اہل باطل اپنے باطل سے گلوخلاصی حاصل کرکے حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں گے(۶۰)۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ آل عمران:٦

۲۔ دیکھیے۔زرکشی: البرہان فی علوم القرآن۔دارالفکر۱۴۰۰ھ ج۲ص ٦۸۔٦۹۔زرقانی:''مناہل العرفان''۔دارالفکر۔بیروت۱۴۰۸ھ ج۲ص۲۷۰۔۲۷۲

۳۔ ھود:۱

۴۔ البقرۃ:۲۵

۵۔ الزمر:۲۳

٦۔ سیوطی:الاتقان:مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی۔مصر۱۳۷۰ھ ج۲ص۲۔۳

۷۔ مناھل العرفان:۲/۲۷۲۔۲۷۴

۸۔ ھود:۱

۹۔ الزمر:۲۳

۱۰۔ الاتقان:۲/۴

۱۱۔ الزمر:۲۳

۱۲۔ البرھان:۲/۷۳

۱۳۔ صبحی صالح:مباحث علوم القرآن (اردو ترجمہ) علوم القرآن۔غلام احمد حریری ملک سنز فیصل آباد ص۴۰۲

۱۴۔ مسلم شرح نووی ج۲ص۳۳۹

۱۵۔ ابن تیمیہ:تفسیر سورہ الاخلاص مطبع حسینیہ مصر۱۳۲۳ھ ص۸۱

۱٦۔ دیکھیے شاہ ولی اللہ:''حجۃ اللہ البالغۃ''مطبعۃ رشیدیہ دہلی ج۱ص۱۷۱

۱۷۔ شاہ ولی اللہ:الفوز الکبیر ص٦٦

۱۸۔ الشعراء:۲، النمل:۱

۱۹۔ اس بحث کے لیے دیکھیے، راغب:''المفردات فی غریب القرآن''نور محمد کارخانہ کتب۔کراچی (س۔ن) ۲۵۴ء نیز مناہل العرفان۲/۲۷۸۔۲۸۱

۲۰۔ عبس:۳۱

۲۱۔ الصّٰفّٰت:۹۴

۲۲۔ آل عمران:۷۳

۲۳۔ الزمر:٦۷

۲۴۔ النساء:۱۔۲

۲۵۔ آل عمران:۷

۲۶۔ الکہف:۱۔۲

۲۷۔ البقرۃ:۱۸۹

۲۸۔ التوبہ:۵

۲۹۔ النساء:۳

۳۰۔ آل عمران:۱۰۲

۳۱۔ البقرۃ:۱۸۹

۳۲۔ التوبہ:۳۷

۳۳۔ النساء:۴۳

۳۴۔ المائدہ:۶

۳۵۔ دیکھیے الفوز الکبیر

۳۶۔ المفردات فی غریب القرآن ص۲۵۴۔۲۵۵

۳۷۔ البقرۃ:۳۲

۳۸۔ طٰہٰ:۵

۳۹۔ الفتح:۱۰

۴۰۔ القصص:۸۸

۴۱۔ الزمر:۶۷

۴۲۔ طٰہٰ:۳۹

۴۳۔ القلم:۴۲

۴۴۔ الاتقان:۲/۶

۴۵۔ الشوریٰ:۱۱

۴۶۔ اخلاص:۴

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔الاتقان:۲/۶۔۸

۴۸۔ الفوز الکبیر:ص۶۶

۴۹۔ الزمر:۵۶

۵۰۔ الاتقان:۲/۷

۵۱۔ اتقان میں ہے۔انا ممن یعلم تاویلہ۲/۳

۵۲۔ دیکھیے۔البرھان:۵/۳ ۷۔۷۶،الاتقان۲/۱۲۔۱۳

۵۳۔ رازی:التفسیرالکبیر۔دارالفکر۔بیروت ۱۳۹۸ھ ج ص ۳۹۷۔۹۸

۵۴۔ البرھان:۲/۷۵۔۷۶

۵۵۔ البقرۃ:۳۲

۵۶۔ البرھان:۲/۷۵

۵۷۔ البرھان:۲/۷۵

۵۸۔ تفسیر کبیر:۲/۳۹۷

۵۹۔ سیوطی نے رازی کی نقل کردہ حکمت کوالاتقان:۲/۱۲میں زیادہ وضاحت سے پیش کیا ہے۔تفسیر کبیر۲/۳۹۷

۶۰۔ یہ رائے بھی دراصل رازی کی ہے جسے سیوطی نے الاتقان۲/۱۳میں بغیر کسی حوالہ کے نقل کردی ہے۔التفسیر۲/۳۹۷